P. O. RGD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۱	یکم ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء	ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار	۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۱ ہجری	نمبر ۱۷

گشتیاں

اتر پردیش میں اردو زبان کے مسئلہ کے ساتھ سرکاری "گشتیاں" کافی مشہور و معروف ہو گئی ہیں۔ کئی مرتبہ پہلے بھی ان گشتیوں کو ہم اپنی امیدوں کا لنگر بنا چکے ہیں۔ لیکن ہر دفعہ یہ لنگر ٹوٹ گیا۔ اب پھر (اگر اخباری اطلاعات صحیح ہیں) نئے وزیر تعلیم نے لیجسلیٹو کونسل میں تقریر کرتے ہوئے اعلان فرمایا ہے کہ

> "ڈائرکٹر تعلیمات نے یہ ہدایات جاری کر دی ہیں کہ اگر کسی مدرسہ میں ۴۰ ایسے طلبا ہوں جو اردو زبان کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں تو انکے لئے ایسا انتظام کیا جائے"

ان "گشتیوں" کے گذشتہ تجربوں سے اگر منہ کا مزہ تلخ نہ ہوتا تو ہم بہت احتیاط کے ساتھ اس اعلان کا خیر مقدم کرتے لیکن جب اتر پردیش کی ریت یہ ہے کہ اعلیٰ حکام کی گشتیوں کو ماتحت حکام مسترد فرما سکتے ہیں تو اب دیکھنا ہے کہ اس گشتی کے بطن سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اس معاملہ میں اتر پردیش کی حکومت جو شہرت حاصل کر چکی ہے وہ ہمارے لئے ہمت افزا نہیں ہے!

وزیر تعلیم کے متذکرہ بالا بیان کی تفصیلات ہمارے سامنے نہیں ہیں اور نہ اس "گشتی" کی پوری عبارت شائع ہوئی ہے اس لئے جب تک بعض سوالات کی توضیح نہ ہو جائے اس "گشتی" پر تبصرہ کرنا مشکل ہے۔ اول تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اردو پڑھنے والے طلبا کے لئے ۴۰ کی تعداد کیوں مقرر کی گئی ہے اور یہ کہ مختلف جماعتوں کے لئے اردو پڑھنے والوں کی اقل ترین کیا تعداد ہو گی جسکے لئے اردو میں تعلیم دینے کا انتظام کیا جا سکیگا اور اگر یہ مجموعی تعداد ۴۰ کے بجائے ۳۹ ہو تو جن طلباء کی مادری زبان اردو ہے انکا کیا حشر ہو گا۔ چھوٹے مدرسوں اور مکتبوں میں جہاں کل طلبا کی تعداد ہی چالیس پچاس سے زیادہ نہیں ہوتی اگر دس بیس طلبا اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو انکو کیا جواب ملیگا۔ آخر یہ ۴۰ کا عدد کیوں؟ اگر ہماری اطلاع صحیح ہے تو بعض دوسرے صوبوں میں اسی قسم کی شرط لگائی گئی ہے لیکن قلیل ترین تعداد دس یا پندرہ رکھی گئی ہے۔ اور اگر ہمارا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو خود اتر پردیش میں بھی چند روز پہلے جماعتوں میں غالباً ۱۰ کی تعداد مقرر کی گئی تھی۔ مادری زبان میں تعلیم کے بنیادی اور مسلمہ اصول کو تسلیم کر کے آئے اس قسم

کی شرطوں سے شروع کرنے کے کہیں یہہ معنی تو نہیں کہ حکومت نے ایک ہاتھ سے دیکر دوسرے ہاتھ سے واپس لینے کی پالیسی اختیار کی ہے -- یعنی اردو کا مسئلہ اس گشتی کے اعلان کے بعد بھی وہیں رہیگا جہاں تھا!

اسمبلی اور کونسل کے اُن اراکین کو جو اردو زبان کے حامی ہیں جلد سے جلد تمام تفصیلات حاصل کرنی چاہئیں - ایسا کرنے سے پہلے عوام کو اس "خوش خبری" کے سنانے میں عجلت کرنا مناسب نہ ہوگا

البتہ اس اعلان کا ایک پہلو ضرور ایسا ہے جو آئندہ ہمارے کام آسکتا ہے اور وہ یہہ ہے کہ اگر حکومت نے کوئی ایسی گشتی جاری کردی ہے تو گویا اس نے اردو زبان کو اترپردیش میں ایک ایسی زبان تسلیم کرلیا ہے جسکو ذریعہ تعلیم بنانے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اسکے بعد شاید اب صوبہ کے کوئی معزز وزیر یہہ جرات تو نہ کرینگے کہ پھر اسمبلی کے اجلاس میں کھڑے ہوکر کہہدیں کہ اردو کی علاقائی حیثیت کچھہ بھی نہیں! اتنی ذراسی بات کا بھی ہم صدق دل سے خیر مقدم کرتے ہیں -

اس گشتی کے اعلان کے بعد اب اردو کے حامیوں کے لئے ایک بڑا کام یہہ ہے کہ وہ ہر مدرسہ میں ۴۰ طلبا کو داخل کرائیں اور پھر اردو میں انکی تعلیم کا مطالبہ کریں - اس کسوٹی پر اس "گشتی" کا معاملہ بالکل صاف ہوجائیگا اور اس کام کو جلد شروع ہونا چاہئے -

لیکن سب سے زیادہ فیصلہ کن تدبیر تو وہی ہے جسے اب علاقائی زبان کی تحریک کے نام سے چلایا جارہا ہے یہہ خود حامیان اردو کے خلوص کی کسوٹی ہے - وہ جو کچھہ اپنی زبان یا اپنے قلم سے اردو کی حمایت میں کہتے ہیں اسکی سچائی اور پختگی کا پیمانہ ۲۰ لاکھہ دستخطوں کی فراہمی ہے - اگر خدا نخواستہ اور بفرض محال یہہ تحریک کمزور پڑگئی تو یہہ گشتیاں سب بے اثر ہوجائینگی اور اردو زبان کے مخالفین کو اسکا جنازہ نکالنے میں بہت آسانی ہوگی - ہماری ناکامی کو حکومت بہانہ بناکر اپنے اس دعوے کا ثبوت دیگی کہ اترپردیش میں اردو زبان کی کوئی حیثیت نہیں اور یہہ سب گشتیاں پھاڑ کر پھینک دی جائینگی -

یہہ امکان کتنا ہی بعید از قیاس ہو لیکن یہہ خطرہ ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے اور سب سے زیادہ زور علاقائی تحریک پر صرف ہونا چاہئے -

---

ڈاکٹر رشید جہاں مرحومہ

اردو زبان کی ادبی محفل کی ایک اور شمع گل ہوگئی - مرحومہ نئے ادب اور ترقی پسند ادب کی تحریک کے بانیوں میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتی تھیں - وہ اُن چند اہل قلم میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ادب کو عوامی زندگی سے قریب لانے کا بیڑا اٹھایا اور محفل ادب کی قدیم راہ و رسم سے علانیہ بغاوت کی - مرحومہ کچھہ عرصہ سے کینسر جیسے خطرناک مرض میں مبتلا تھیں - اُن کو روسی ادیبوں کی انجمن نے دعوت دی تھی کہ وہ روس آکر اپنا علاج کرائیں - لیکن وہ ایسے وقت وہاں جاسکیں جب کہ مرض اپنی آخری منزل پر پہونچ چکا تھا اور اسی لئے جانبر نہ ہوسکیں - جدید اور ترقی پسند اور عوامی ادب کی محفلوں میں مرحومہ کا جتنا بھی ماتم کیا جائے وہ کم ہے - مرحومہ کے کردار کی خصوصیت یہہ تھی کہ وہ اپنے خیالات اور عقاید میں بہت مستحکم تھیں اور زندگی کی مشکلات کبھی ان کو اپنے پسند کے ہوئے راستے سے روگرداں نہ کرسکیں - انہوں نے اپنی شخصیت میں عزم اور یقین کی ایک زندہ مثال پیش کی - ہمیں یقین ہے کہ ملک کی جدید ادبی محفلوں میں ان کا نقش ہمیشہ روشن رہیگا -

---

ایک ادیب خاتون کی رحلت

افسوس ہے کہ نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی بیگم صاحبہ نفیس دلہن صاحبہ نے ۱۶ اگست کو وفات پائی - مرحومہ اردو فارسی کی شاعرہ تھیں اور دوذانہ تخلص کرتی تھیں مرحومہ کی تصانیف میں "نقش وفا" مشہور کتاب ہے ادب اور شعر و سخن کے ذوق میں مرحومہ اپنے فاضل شوہر کی صحیح شریک وسہیم تھیں - اردو ادب کا ذوق رکھنے والی خواتین کی تعداد ہمارے ملک میں کچھہ زیادہ نہیں ہے انکی محفل میں عرصہ تک مرحومہ کی جگہ خالی رہیگی - لیکن ہم اردو ادب کی محفلوں میں کبھی انکو بھول نہیں سکتے -

علاقائی زبان

عوام کی اب جو تنظیم ہوئی ہے اُس سے ہر سنجیدہ مبصر پر یہہ بات بخوبی واضح ہو گی کہ ہندی کی حمایت میں مبالغہ کرنے والے بہت سے لوگ زیادہ تر سنسکرت آمیز ہندی کی طرف مایل ہیں۔ میں یہہ بات ذاتی تعلیم اور ایسے لوگوں سے اپنے تعلقات کی بنا پر کہتا ہوں۔

بحیثیت قومی زبان کے میں ہندی کی اہمیت کو گھٹانا نہیں چاہتا۔ لیکن میں اس معاملہ میں ضرورت سے زیادہ جوش کے خلاف آواز اُٹھاتا ہوں۔ اس مضرت رساں رجحان کو روکنے کا ایک ٹھوس ذریعہ یہہ ہے کہ اُردو کو اس ریاست کی علاقائی زبان تسلیم کر لیا جائے۔ اور اسکا یہہ درجہ سرکاری طور پر مان لیا جائے۔ اُردو کو یہہ حیثیت اس لئے دی جانی چاہئے تاکہ وہ اس بہت اچھی زبان کی ترقی کی ضمانت ہو اور ہندی کے پر جوش حامی بھی ذرا سوچیں اور اُن دوسری زبانوں کے ساتھ ہمدردی کریں جنہوں نے ہماری جنگ آزادی میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اس معاملہ میں کسی فرقہ واری امتیاز کو روا نہ رکھا جائے۔ ہمیں ضرورت سے زیادہ جوش و خروش سے بچنا چاہئے اس لئے کہ اپنے کسی مقصد کے لئے غیر منطقی جدوجہد ایسے راستوں پر لے جاتی ہے جو ذرا بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتے۔

کسی ایک زبان کو آزادانہ ترقی کے مواقع سے محروم کرنے کے یہہ معنے ہوتے ہیں کہ اُن لوگوں کا گلا گھونٹ دیا جائے جو اس زبان کو پڑھتے لکھتے ہیں۔ زبان انسانیت کا ایک مخصوص حق ہے اور اُردو زبان سماج کے ایک اہم جزو کے دل کی ہلکی سے ہلکی حرکت کو سننے کا ایک آلہ ہے۔ یہہ کہنا کہ ہم اُردو کی ترقی چاہتے ہیں اور پھر اُسے قومی زندگی میں پورا پورا حصہ لینے سے روکنا ماضی کے یورپ میں ایک تمسخر انگیز تصنع ہے۔ ہمیں اپنی تہذیب اور اپنی روایات کے ساتھ وفادار ہونا چاہئے۔

ہری گوپال گوڑ

مرادآباد

[میسیج دھلی]

ہلکے ہلکے اشارے

جب سے ٹنڈن جی کانگریس کی صدارت سے سبکدوش ہوئے ہیں، بہت کم کچھہ فرماتے ہیں۔ لیکن جب کچھہ فرماتے ہیں تو یہہ ممکن نہیں کہ اسمیں کچھہ نہ کچھہ جدت نہ ہو۔ چنانچہ آگرہ میں ایک تقریر کرتے ہوئے اب نے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی ذہنیت کو مسلم لیگی ذہنیت صرف اس لئے قرار دیا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھنؤ کے اُردو کنونشن کی صدارت کی تھی اور وہ اب انجمن ترقی اُردو کے صدر کی حیثیت سے علاقائی زبان کی تحریک کی رہنمائی کر رہے ہیں۔۔ ٹنڈن جی اگر علاقائی زبان کے مسئلہ کا جوڑ مسلم لیگ سے نہ ملاتے تو پھر کون تھا جو اتنی دور کی کوڑی لاتا! غنیمت ہے کہ انہوں نے یہہ نہ فرما دیا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین پاکستانی جاسوس ہیں! ٹنڈن جی کانگریس کے صدر رہ چکے ہیں لیکن بولتے ہیں مہاسبھائیوں کی زبان میں۔ اور آپ ایسی سے تکی ملاتے ہیں کہ غصہ آنے کے بجائے ہنسی آتی ہے!

۔۔۔۔ موصوف نے "قومی آواز" کے ایڈیٹر کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا تمدن ایرانی ہے "۔ اس لئے اپنا تمدن ایرانی بتانے والے ایران چلے جائیں یہاں بھارت میں تو بھارتیہ تمدن اور زبان ہندی چاہیئگی"

۔۔۔۔ ضرور چاہیے حضور، بھارتیہ تمدن! لیکن ذرا کوئی صاحب یہہ بھی تو بتا دیں کہ بھارتیہ تمدن آخر ہے کیا؟ یہہ بات ٹنڈن جی کیوں مانیگے کہ یہاں اور کے لوگوں کا تمدن اصل بھارتیہ تمدن ہے۔ دنیا کے تمدن سے وہ "بھارتیہ تمدن"

کو علاحدہ دیکھتے ہیں اور خود کوئی ایسا نمونہ پیش نہیں کرتے جو لکھو یا دلی سے جدا ہو!

---- ہمیں معلوم نہیں کہ "قومی زبان" کے ایڈیٹر سے کہاں اور کب یہہ بات ٹنڈن جی نے سنی --- بحالت خواب یا بحالت بیداری --- لیکن موصوف اتنی زحمت تو گوارا کریں کہ آریائی تمدن کی تاریخ پڑھ لیں۔ پھر اگر (قومی آواز) کے ایڈیٹر کو دیس نکالا دیکر ایران ہی پہونچنا ہے تو ہمیں اندیشہ ہے کہ ٹنڈن جی کو خود بھی انکے ساتھہ جانا ہوگا!

--- بات یوں ہے کہ اب کانگریس کے حلقوں میں تو ٹنڈن جی کو "واہ واہ" ملتی نہیں تو پھر کبھی کبھی کوئی بات ایسی کیوں نہ کہی جائے کہ کم از کم مہا سبھائی آن کی جے پکاریں!!

گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است!

--:0:--

---- بمبئی کے چیف منسٹر نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ گذشتہ انتخابات کے لئے حکومت نے رائے دھندوں کی ۷۰۰ فہرستیں ھندی رسم الخط میں طبع کرائی تھیں۔ جنکی طباعت پر ۷ لاکھ ۴۴ ہزار روپیہ صرف ہوا۔ انمیں سے ۶۹۰۰ کاپیاں فروخت نہیں ہوسکیں اور اس طرح تقریباً ساڑھے ۵ لاکھ کا خسارہ ہوا اب یہہ کاپیاں ردی کے بھاؤ فروخت کردی جائینگی!

----- سوال یہہ ہے کہ بمبئی کی حکومت اس حسن ظن میں کیوں مبتلا ہوئی کہ ایلکشن کے امیدوار ھندی کی فہرستوں سے کام لینگے۔ اس خام خیالی نے تھوڑے نہ بہت ساڑھے ۵ لاکھ روپیہ ڈبو دئے! گویا سرکاری زبان کو سرکاری بنانے کے لئے یہہ خسارہ بھی گوارا ہے! لیکن اسکو کیا کیجئے کہ سرکاری زبان عوامی زبان نہیں بنتی!

--- کیا یہہ تصور بھی آردو والوں کا ہے کہ تمام ملک میں ایلکشن زیادہ تر آردو زبان کی مدد سے لڑائے گئے!

گونڈہ میں اردو ہفتہ

گونڈہ ۱۱ اگست۔ آج گونڈہ کی علاقائی زبان کمیٹی نے جس کے سکریٹری نازقومی صاحب ہیں جگر صاحب کی سرپرستی میں قومی ھفتے کا شاندار آغاز کیا۔ ایک جلسہ عام حیات اللہ انصاری صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں جگر صاحب، شہر کے معززین اور سرکاری افسروں کے علاوہ ھزار سے اوپر مجمع تھا۔

بھائی روشن زماں خاں صاحب نے حیات اللہ انصاری صاحب کا تعارف کرایا اور کہا کہ آردو کی مہم کو فرقہ واریت سے وابستہ کرنا سخت غلطی ہے۔

حیات اللہ انصاری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ دستور میں آردو کو ھندستان کی زبان مان لیا گیا ہے اب جو شخص آردو کو ھندستان کی زبان نہیں سمجھتا ہے وہ دستور سے غداری کرتا ہے۔ اسی طرح دفعہ ۳۴۷ کے ماتحت کارروائی کرنا ویسا ہی ہے جیسے اپنے حق کے حاصل کرنے کے لئے عدالت میں مقدمہ چلانا۔ کیا مقدمہ چلانا جرم ہوسکتا ہے؟ اگر وہ جرم نہیں تو دفعہ ۳۴۷ کے ماتحت کارروائی کرنا کیسے جرم ہوسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ھندی اور آردو میں کوئی بیر نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے بنگالی اور ھندی مرہٹی اور ھندی میں کوئی بیر نہیں۔

حیات اللہ صاحب کی تقریر کے بعد ایک مختصر سا مشاعرہ ہوا جس میں پہلے وقار صاحب نے اختر جمال کی نظم کے چند بند سنائے، بے کل صاحب، روپ سنگھہ پیام، نثار بادہ بنکوی، کرشن چندر حیرت اور رام بہاری اور جگر صاحبان نے اپنا اپنا کلام سنایا۔

گورکھ دھندا

(از نامہ نگار)

"گورکھ دھندا" سنجیدہ اور شائستہ اردو زبان کی ایک قدرے بھونڈی اور بھدی اصطلاح ہے۔ لیکن اگر اسکے استعمال کا محل و مقام بھی بھونڈا اور بھدا ہو تو وہ اپنے مقام پر موزون ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں دستوریت اور جمہوریت نے جو روپ اور رنگ اختیار کیا ہے اسکو اگر ہم ایک گورکھ دھندا کہیں تو یہہ بات کچھہ ناشایستہ نہیں ہے۔

ہماری "جمہوریت" کے اسٹیج کے پیچھے جو ڈراما کھیلا جاتا ہے۔ وہی ہماری لاڈلی "جمہوریت" کا اصل تماشہ ہے اور یہہ سب کچھہ جو ہم پردے کے باہر دیکھتے ہیں کٹ پتلیوں کا کھیل ہے جن کے تار پردے کے پیچھے ہیں۔ اس گورکھ دھندے کی ایک دلچسپ کہانی آپ کا نامہ نگار آپ کو سناتا ہے۔ تفصیلات میں اگر کچھہ غلط ہو تو دروغ برگردن راوی!

چند روز ہوئے حیدرآباد کی اسمبلی میں ایک قرارداد پیش ہوئی جس کا مفہوم یہہ تھا کہ عثمانیہ یونیورسٹی مرکزی حکومت کے حوالے نہ کی جائے۔ اس تجویز کے جواب میں ایک کانگریسی ممبر نے یہہ تحریک پیش کی کہ یونیورسٹی مرکز کے حوالے کر دی جائے لیکن آصفیہ ملکی زبانوں کی ترقی اور حفاظت کا خاص لحاظ رکھا جائے۔ اس قرارداد میں جن ملکی زبانوں کا نام لیا گیا وہ صرف تین تھیں، مرہٹی، تلنگی اور کنٹری۔ اردو زبان کا سرے سے ذکر ہی نہ تھا۔ اردو زبان کے بعض حامیوں نے اسمبلی کے ایسے اراکین سے جن کی مادری زبان بلاشبہ اردو تھی گفتگو کی اور ان پر زور دیا کہ وہ کانگریسی ممبر کی قرارداد میں اردو کے نام کا اضافہ کرائیں۔ ایک معزز ممبر صاحب نے تو بہت دانشوری کے انداز میں یہہ فرمایا کہ جناب! اس جھگڑے کو اس وقت نہ اٹھائیے، آئندہ کوئی موقعہ آئیگا تو دیکھا جائیگا! ایک صاحب نے فرمایا کہ بھائی! کیا کریں، معاملہ پارٹی کا ہے اب اگر پارٹی اجازت نہ دے تو ہم قرارداد میں ترمیم کیونکر پیش کریں، ایک محترمہ خاتون نے ایک لکھی ہوئی تقریر دکھائی جو وہ اس مسئلہ پر اسمبلی کے اجلاس میں پڑھنے والی تھیں (لیکن وہ پڑھی نہیں گئی) ایک دوسری خاتون رکن نے (جو کانگریسی ہیں) اپنے جوش اور ارادے کے استحکام کا یوں اظہار فرمایا کہ قرارداد کی ایک ترمیم لکھہ کر صدر کو بھیج دی جس کا مفہوم یہہ تھا کہ مقامی زبانوں میں اردو کے نام کا اضافہ کیا جائے۔

آپ کا بیوقوف نامہ نگار کتنا خوش تھا کہ کم از کم ایک خاتون ممبر نے کانگریس پارٹی کی قرارداد میں ترمیم پیش کرنے کی جرأت تو کی اور ایسی ترمیم کا نوٹس تو صدر کو دے دیا۔ لیکن دوسرے دن اسمبلی کے اجلاس میں جب دونوں قراردادیں پیش ہوئیں اور آپ کا نامہ نگار وہاں جاکر گوش بر آواز بیٹھا تو کرسی صدارت سے آواز آئی کہ محترمہ خاتون نے اپنی ترمیم واپس لے لی ہے۔ لہذا اب بحث صرف کانگریسی اور غیر کانگریسی قراردادوں پر ہی ہوگی۔

معلوم یہہ ہوا کہ:-

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

وہ جو ایک الف لیلہ کا جن پارٹی کی بوتل میں بند رہتا ہے وہ عین وقت پر باہر نکل آتا ہے اور حیدرآبادی جمہوریت کے کاندھوں پر مشہور تسمہ پا کی طرح چڑھ بیٹھتا ہے! اس مقام پر کوئی سوال صحیح یا غلط اور حق و ناحق کا پیدا ہی نہیں ہوتا! "پارٹی" ہر چیز سے بالاتر ہے۔ جمہوریت ہے، انصاف، حق ہے، اور انسانیت ہے! جب "پارٹی" کا قدم درمیان میں آجائے تو تمام مسلمہ قدریں بدل جاتی ہیں! "پارٹی" ایک مہاجن ہے جس کے پاس ہر ممبر کا ضمیر گرو ہوتا ہے! جس کے پاس خاندان

ملت اپنا ایمان کم از کم پانچ سال کے لئے رہن رکھ دیتے ہیں!

سنا گیا کہ حیدرآباد کی انجمن ترقی اردو نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کا ایک وفد چیف منسٹر کی خدمت میں جائے اور اُن سے عرض کرے کہ آخر مقامی زبانوں کی فہرست میں اردو زبان کے وجود کو تسلیم نہ کرنے کا سبب کیا ہے اور تسلیم کر لینے سے "جمہوریت" یعنی "پارٹی" (دونوں کے ایک ہی معنی ہیں!) کا کیا نقصان ہوتا ہے۔ حیدرآباد کے ان عجائبات میں سب سے عجیب تو یہ بات ہے کہ جہاں اردو زبان سے کام چلتا ہے اور کسی دوسری مقامی زبان سے کام نہیں چلتا وہاں بھی اردو کو ہٹا کر انگریزی زبان مسلط کی جارہی ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ اردو کے بجائے تلنگی یا مرہٹی سے کام لیا جائے تو وہ بھی ایک معقول بات ہوتی اس لئے کہ ایک مقامی زبان آگے بڑھتی، لیکن اس وحدت پسندی کا کیا علاج ہے کہ جب اردو کے مقابلہ میں کسی مقامی زبان سے کام نہ چلے تب بھی اردو کو ہٹانا اس قدر ضروری سمجھا جائے کہ اس کی جگہ ایک غیر ملکی زبان کو جس سے ایک فی صد عوام بھی واقف نہیں تخت پر بٹھا دیا جائے۔ ذیل کی ایک خبر ملاحظہ ہو۔

"حیدرآباد انجمن وکلاء جوگی پیٹھ ضلع میدک نے اپنے اجلاس غیر معمولی میں اس اطلاع پر کہ ماہ ستمبر ۱۹۵۲ع سے عدالتوں میں بدیسی زبان انگریزی میں کاروبار انجام دیئے جانے کے احکام صادر کئے جارہے ہیں گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت حیدرآباد اور صدر جمہوریہ سے مطالبہ کیا ہے کہ ملکی زبانوں میں کاروبار شروع ہونے تک حسب سابق زبان عدالتی اردو میں کاروبار انجام دینے کے احکام صادر کئے جائیں تاکہ غریب رعایا کو حصول انصاف میں سہولت ہو ورنہ اضلاع والوں کے لئے انصاف کا حصول ناممکن ہو جائے گا اور غریب رعایا کو کثیر مصارف میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

(دکن نیوز)

اس قسم کی احتجاجی آوازیں ریاست کے ہر گوشہ سے اٹھ رہی ہیں۔ سوال صرف اتنا ہے کہ آخر اردو کا بدل انگریزی کیوں؟ شاید اس لئے کہ ابھی ہندی یا کوئی مقامی زبان اردو کی جگہ لینے کے قابل نہیں؟ لیکن اردو کو تو بہر حال ختم کرنا ضروری ہے اس لئے ہماری یہ "جمہوریت" انگریزی زبان کا دامن پکڑ کر لٹکتی رہتی ہے مگر اردو کو کسی نہ کسی طرح جڑ سے اکھیڑنے کی تدبیریں بھی جاری رہتی ہیں۔ کہ بغیر اس کے ہندی پروان نہیں چڑھ سکتی!

اس مسئلہ کو انصاف اور حق کی ترازو میں رکھیئے تو اس کا ایک اور کرشمہ بصیرت افروز ہوتا ہے۔ یعنی ریاست حیدرآباد کی مقامی زبانوں کا مقام بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے (بہ اعتبار اعداد مردم شماری ۱۹۵۱ع) یوں ہے کہ:-

۱ -........ تلنگی
۲ -........ مرہٹی
۳ -........ اردو
۴ -........ کنڑی

مزے کی بات یہ ہے کہ جب ان چار زبانوں میں سے حذف کیا جاتا ہے تو تیسرے نمبر کی زبان کو! چوتھی جو بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے کم ترین ہے سلامت رہتی ہے۔ فہرست کے درمیان میں سے قلم کاٹا ہے چوتھی کو چھوڑ کر تیسری کو! سبحان اللہ! انصاف اور حقوق کے مساوات کا یہ انداز ملاحظہ ہو! لیکن آخر کیجیئے کیا کہ معاملہ "پارٹی" کا ہے اور ہمارے وہ نمائندے بھی جن کی مادری زبان نسلاً بعد نسلاً اردو ہے اپنی زبان کو حق کے لئے نہیں کھول سکتے اس لئے کہ ایسا کرنا پارٹی کی "شریعت حقہ" کے خلاف ہوگا!

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

انجمن کی خبریں

رسولپور خان پور

انجمن ترقی اردو رسولپور خانپور کے زیر اہتمام ۳۰ جولائی تا ۵ اگست ۱۹۵۲ء کو اردو ہفتہ بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ اسکول کے بچوں کے جلوس تمام قصبہ میں گھمائے گئے جن کے ہاتھوں میں بڑے بڑے پوسٹر اور رنگ برنگی جھنڈیاں تھیں۔ بچوں کے نعرے تھے۔ "اردو پڑھو لکھو" "بھارت کی زبان اردو ہے" "ہماری زبان اردو ہے" "اردو زندہ باد" وغیرہ۔ پوسٹروں پر بھی اسی قسم کے فقرے درج تھے۔ پروگرام کی ایک مد یہ بھی تھی کہ انجمن ترقی اردو رسولپور خانپور کے تمام اراکین قصبہ کے غیر تعلیم یافتہ اشخاص کو اردو میں دستخط کرنا سکھائیں۔ ہر رکن نے ایسے دو اشخاص کو دستخط سکھائے۔

۵ اگست ۱۹۵۲ء ۱۱ بجے دن ایک بڑا جلسہ زیر صدارت محمد صابر خان آفریدی وکیل صدر انجمن ترقی اردو رسولپور خانپور منعقد ہوا۔

کچھ اصحاب نے تقریریں کیں اور انجمن کے جوائنٹ سکریٹری صاحب نے کام کی رپورٹ پڑھکر سنائی۔ آخر میں صدر صاحب نے ایک لمبی تقریر میں اردو زبان اور دستخطوں کی مہم کی اہمیت کی وضاحت کی اور عوام سے اس تحریک میں گرمجوشی سے حصہ لینے کی درخواست کی۔ آپ نے اپنی تقریر میں حسب ذیل حضرات کا جانفشانی سے کام کرنے اور دستخط حاصل کرنے میں مدد دینے کے لئے شکریہ ادا کیا۔

۱۔ منشی سخاوت اللہ صاحب چشتی۔
۲۔ محمد یوسف خان صاحب آفریدی۔ ۳۔ حافظ حامد حسین صاحب۔ ۴۔ حکیم نور محی الدین صاحب۔ ۵۔ شمشاد حسین صاحب۔ ۶۔ محمد صابر حسین صاحب۔ ۷۔ حکیم عزیز الرحمن خاں صاحب
۸۔ منشی قاسم علی صاحب۔

آخر میں بچوں کو شیرینی تقسیم ہوئی۔

بڑوت (میرٹھ)

محمد عقیل صدیقی صاحب سکریٹری اطلاع دیتے ہیں کہ بڑوت میں بھی صدر انجمن کی ایک شاخ قائم کی گئی ہے جس کے صدر مولانا حکیم عبدالحی صاحب مہتمم مدرسہ نوریہ عربیہ ہیں۔

—:0:—

ہاپوڑ

حشمت علی خورشید صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ:-

انجمن ترقی اردو ہاپوڑ کی طرف سے ایک عام جلسہ جس میں تقریباً پانچ ہزار افراد نے شرکت کی۔ زیر صدارت بابو لکشمی نرائن صاحب سابق پارلیمانی معتمد ۹ بجے شب میں منعقد ہوا۔ جلسہ قومی ترانے (جن گن من) سے شروع ہوا۔ جناب فخرالدین محمد بیلے صاحب نے انجمن ترقی اردو کی تاریخ اور اس کے کام پر روشنی ڈالی اور زبان کے مسئلے کو وضاحت کے ساتھ موثر انداز میں پیش کیا اور ہاپوڑ کے ان بزرگوں کی خدمات پر بھی فخر کیا جن کے بے شمار احسانات زبان و ادب پر ہیں بیلے صاحب کے بعد بابو لکشمی نرائن صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ:-

"اردو یہیں کی زبان ہے اور اگر اسے پنپنے کا موقع نہ دیا گیا تو یہ سمجھ لیجئے کہ حکومت اپنی بقا نہیں چاہتی۔ ایک آزاد ملک میں لوگوں کو اس کا حق ہونا چاہئے کہ وہ اپنی زبان بولیں اور اسے ترقی دیں اور اپنے کلچر کو زندہ رکھیں۔ اردو کا وطن یہی ہے اور یہاں کے لوگوں کی زبان اردو ہے اور اس حقیقت کو سب جانتے ہیں کہ یہاں کے لوگوں کی بڑی تعداد اردو بولتی ہے۔ ہندی کلچر کی بناوٹ میں اردو کا بڑا حصہ ہے۔ موصوف نے اپیل کی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کی کوشش کریں کہ دستخط

حاصل ہونے کا بڑا اور مشکل کام چھوٹا اور آسان ہوجائے"

تقاریر کے بعد مشاعرہ شروع ہوا اس کی صدارت بھی لکشمی نرائن صاحب ہی نے فرمائی۔ مشاعرہ ۲ بجے صبح تک جاری رہا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اتنا بڑا اور کامیاب ادبی جلسہ تقسیم ہند کے بعد پہلی بار ھاپوڑ میں ہوا ہے۔

انجمن ترقی اردو ھاپوڑ نے اردو ہفتے کے سلسلے میں کئی جلسے کئے۔ مجلس نظم کے عہدیداروں اور رضاکاروں نے دستخط حاصل کرنے میں زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرنے کا عہد کیا۔ ایک سب کمیٹی کی تشکیل کی گئی جو اردو ہفتے کو کامیاب بنانے کا پروگرام مرتب کرے گی۔ اس کمیٹی کے کنوینر حکیم مرزا ہاشم بیگ صاحب وائس چیرمین میونسپل بورڈ ھاپوڑ منتخب ہوئے۔ فخر نوجوانان ھاپوڑ، شیخ عبدالوہاب شمسی نے جو محضر نامہ کمیٹی کے سابق کنوینر ہیں مجلس نظم کے اراکین کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اب تک صرف دیہاتی حلقوں سے دس ہزار دستخط فراہم ہوچکے ہیں جب کہ شہری حلقوں سے اس سے زیادہ دستخطوں کے فراہم ہونے کی امید ہے۔

مراد آباد

یہاں "بزم خواتین اردو" کی جانب سے اردو ہفتہ کے سلسلے میں ایک جلسہ بیگم نسیم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ بیگم آرائش سعید نے اپنے کام کی تفصیلی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ "اب ہمیں غور کرنا ہے کہ ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہیں ہمیں اب تک بیس کارکن ملے ہیں جو چار حلقہ انچارجوں کی نگرانی میں باقاعدہ کام کر رہے ہیں جنہوں نے پانچ محلوں میں کام ختم کر کے نو ہزار دستخط فراہم کر لیے ہیں ہمیں اور کارکنوں کی ضرورت ہے جو کام کی رفتار تیز کر کے ۱۵ اگست سنہ ۱۹۷۲ ع تک مراد آباد کا کوٹا ..... مکمل کر دیں۔

حلقہ نمبر ۱ کی انچارج وزیر بیگم ہیں جو ڈھائی ہزار دستخط فراہم کر چکی ہیں اس حلقہ کے کارکنان افضال احمد، اقبال احمد، بیگم انیس احمد، خورشید جاوید، وقار احمد، نسیم حامد اور ملکہ زبیری بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔

حلقہ نمبر ۲ میں جس کی انچارج آرائش سعید ہیں تین ہزار سے زائد دستخط ہوچکے ہیں۔ افضال احمد ناظر نہایت تندہی سے کام کر رہے ہیں حلقہ نمبر ۳ کی انچارج مزمل النساء بیگم ہیں جو خود ہی کارکن کی طرح کام کر کے تیرہ سو دستخط حاصل کر چکی ہیں۔ حلقہ نمبر ۴ اہلیہ شریف اللہ کا حلقہ ہے تقریباً آٹھ سو دستخط وصول ہوچکے ہیں۔

بیگم آرائش سعید نے کہا کہ ہمارے تمام کارکنان نہایت خلوص اور محنت سے کام کر رہے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ افضال احمد ناظر، مزمل النساء، اقبال احمد اور سمیم زہرا کی جذبات یقیناً اس قابل ہیں کہ انہیں قابل ستائش کہا جائے۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے بیگم آرائش سعید نے کہا کہ "ہمیں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ تحریک غیر فرقہ پرور ہے کیوں کہ اردو ایک مشترکہ سرمایہ ہے۔ سیاسی اختلافات زبان کے مسئلے میں نہیں حائل ہوسکتی۔ ہم ہندی کے مخالف نہیں ہیں۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہندی کے ساتھ اردو کو بھی سرکاری زبان کی حیثیت دی جائے اور اسکولوں میں اردو کی تعلیم میں معقول انتظام کیا جائے تاکہ کوئی طالب علم اپنی مادری زبان سے نہ محروم رہ جائے ورنہ اس کی دماغی نشو و نما نہ ہوسکے گی جس کے اثرات بہت مضر ہوں گے۔

باہتمام عزیز حسین منیجر نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ سے شائع کیا۔